Sociology & Cultural Research Review (SCRR)
Available Online: https://scrrjournal.com
Print ISSN: 3007-3103 Online ISSN: 3007-3111
Platform & Workflow by: Open Journal Systems
https://doi.org/10.5281/zenodo.23340329

Islam, Politics, and Statehood an Analytical Study of the Scope of Political Science and the Characteristics of an Islamic State

اسلام، سیاست اور ریاست علم سیاسیات کے دائرہ کار اور اسلامی ریاست کی خصوصیات پر تحقیقی جائزہ

Muhammad Salman Qureshi
Lecturer in Islamic Studies, Kohat University of Science and Technology, Kohat
salmanqureshi@kust.edu.pk

Abstract

This paper explores the conceptual and structural relationship between Islam, politics, and statehood, asserting that Islam offers a complete code of life in which religion cannot be separated from political governance. Beginning with the etymological roots and historical evolution of political science, the study examines the discipline through temporal phases (past, present, and future) and key thematic areas, including political thought, systems of government, and international relations. Through a comparative analysis of political traditions across major religions Islam, Hinduism, and Christianity the paper critiques modern secularism and the artificial bifurcation of religion and state. It outlines the core characteristics of an Islamic state, grounded in the supreme legal sovereignty of Allah (Hakamiyyah), governance through divine vicegerency (Khilafah), institutionalized consultation (Majlis-e-Shura), universal human equality, rigorous justice (Adl), and regulated freedoms of expression and belief. The author concludes that detaching politics from Islamic ethics leads to lawlessness and societal collapse, reaffirming that political effort aligned with divine law is a primary requirement of faith and essential for human welfare.

Keywords: *Islamic Political Thought, Islamic State, Sovereignty of Allah, Shura, Political Science, Secularism vs. Religion*

تعارف

اللہ رب العزت کی شان عظیم شان ہے وہ ازل سے ہے اور ہمیشہ رہنے والی ذات ہے۔ اللہ رب کریم نے ہمارے پیارے نبی ﷺ پر قرآن مجید نازل فرمایا جس میں عصر حاضر اور مستقبل میں آنے والے تمام مسائل کا حل موجود ہے، یقیناً اسلام دین فطرت و دین انسانیت ہے۔ سیاست لفظ عربی زبان کا لفظ ہے۔ لغت میں سیاست کی معنی ملکی تدبیر و انتظام۔ قدیم زمانہ میں یونان میں چھوٹی چھوٹی ریاستوں پر مشتمل تھا۔ جن کو Polis سے جانے جاتے تھے۔ اور Polis کے معاملات کو دیکھنے والے کو Politike کہا جاتا تھا۔ قدیم فلاسفر ارسطو نے Politike کے نام سے کتاب لکھی۔ جس کو انگلش میں Politics کہا گیا اس طرح Polis یعنی ریاستوں کے معاملات چلانے والے Politician کہلائے۔ اردو میں ریاست و حکومت کے علم کو سیاست کہا جاتا ہے۔ سیاست سے متعلق ڈکشنریوں میں اسکی تعریفات مختلف ہیں لیکن لفظ ریاست میں تین عناصر مشترک ہیں؛

1. پہلا عنصر عوام ہیں یعنی کوئی بھی ریاست عوام کے بغیر اسکا پائے تکمیل ناممکن ہے۔ اگر روئے زمین پر کسی علاقے میں انسان کا وجود نہیں تو وہاں ریاست کی موجودگی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔
2. دوسرا عنصر حکومت یا سیاسی نظام ہے یعنی وہ لوگ جو موجود ہوں ان میں حقوق و فرائض کی ادائیگی کے ایک طریقہ کار پر سب متفق ہو جو تمام ریاستوں میں آئین فراہم کرتا ہے چاہے وہ تحریری صورت میں ہو یا غیر تحریری۔ جب ہم آئینی تقدس کی بات کرتے ہیں تو اس کے پیچھے یہی سوچ کارفرما ہوتی ہے کہ اگر آئین میں بگاڑ ہو گا تو ریاست یا ملک اپنا وجود کھو بیٹھے گی۔

3. تیسرا عنصر علاقہ ہے جسے آج کل ریاستی نظام میں بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے کیونکہ ہر ریاست کی ایک جغرافیائی سرحد ہے اوراس کے بعد ہی دوسری ریاست کا علاقہ شروع ہو سکتا ہے۔ ریاست کے پاس علاقہ ہی نہ ہو تو اسے ریاست کا درجہ نہیں مل سکتا۔ دنیا میں تمام ریاستوں کی جغرافیائی حدود ہیں جس سے ان ممالک کی پہچان ہوتی ہے۔

بنی نوع انسان کے گزرے ہوئے تاریخی واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ انسانی ماحول سے متعلق معاملات کی بندوبست اور سیاست پر ایک خاص توجہ دینا چاہئے، کیونکہ معاشرتی نظام کو عقل و تہذیب و ثقافت کو موضوع بحث بنانا چاہئے۔ اسلام میں سیاست کا مسئلہ دوسرے مذاہب فکر سے کہیں زیادہ اہم اور نمایاں ہے۔ اسلام کے عائد کردہ احکام و قوانین پر غور و فکر سے یقین ہو جاتا ہے کہ سیاست و ریاست کو شرع مقدس سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ حکومت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، جہاد، دفاع، تجارت، حقوق العباد، ثقافتی امور، معاملات، اقتصادی مسائل، اہل کتاب کے احکام، جنگ و صلح وغیرہ کے دوسرے مسائل جن کو سیاست سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔

دین اسلام میں تمام بنی نوع انسان کے ہر پہلوؤں کا پورا پورا لحاظ رکھا ہے جیسا کہ سیاسی امور، معاشرتی، اخلاقی و اقتصادی حالات۔ جو کہ ایک ایسے معاشرے کی تشکیل دیتا ہے جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا پابند ہو زندگی کے ہر شعبہ میں انصاف و اعتدال اور توازن پیدا کرے اور ہم بحثیت محمد ﷺ امتی دین اسلام کے پیروکار ہیں اور ہم اسکے نقش قدم پر چلنے اور ہر لحہ اس کے ساتھ جڑے رہنا چاہئے اور فکر آخرت کو اپنے ذہن پر سوار ہونا چاہئے۔ کیونکہ ہمارا یہاں بحثیت انسان اس فانی دنیا میں آنے کا ایک خاص مقصد ہے، اور وہ ہمیں اس دین اسلام سے پتا چلتا ہے، یہ دین ہمیں ایک راستہ دیکھاتا ہے ہماری رہنمائی کرتا ہے، اور یہ دین کسی خاص دور کی تہذیب یا کسی خاص وقت کے لئے نہیں اترا ہے، بلکہ اس دین میں گزرے واقعات سے حاصل سبق اور آنے والے ہر دور کے لئے ہر مسئلے کا حل موجود ہے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر، میں "معروف" صرف دو چند مذہبی اچھائیوں یا نیکیوں، اخلاقیات اور ایک اچھے معاشرے کا نام نہیں ہے بلکہ نص (قرآن) کی اصطلاح میں یہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور احادیث نبویؐ و سنت پر محیط ہے خواہ جن کا تعلق کسی بھی شعبہ حیات سے ہو یعنی تہذیب و تمدن، قانونی بالادستی، اخلاقیات، عدالت اور مذہب و سیاست سے ہو۔ مختصر یہ کہ "معروف" اسلامی ریاست و اسلامی خلافت یا مسلم مملکت کے تمام شعبہ حیات میں اللہ اور رسولؐ کے احکام کے متعلق ہے۔ اور "نہی عن المنکر" مطلب کہ ایک نظریاتی مملکت اسلامیہ کو سارے برائیوں (صنعت و حرفت میں ناجائز کاموں، ظلم و ناانصافی) سے پاک کیا جائے۔

دینِ اسلام سیاسی نظریے اور منفرد روایت کا حامل ہے، کیونکہ اس میں مذہب، ریاست، اور سیاست کا گہرا تعلق موجود رہا ہے۔ سیاست اور ریاست کو ملا کر ایک مشن بنایا گیا ہے جس کو مد نظر رکھتے ہوئے اسلامی سیاسی فکر میں دانشمندانہ اخلاق، سیاسی حقیقت پسندی، انصاف پسندی، انتظامی اور سماجی معاملات سے آگاہی کی روایت موجود ہے۔ دینِ اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیاوی زندگی کے ہر شعبے میں ترقی حاصل کرنے کی صرف رہنمائی نہیں دی، بلکہ دنیا میں زندگی کے ہر شعبہ میں عالی ترین باکردار شخصیت کا نمونہ بھی پیدا کیا ہے۔ مذہب کو مد نظر میں رکھتے ہوئے، سیاست اور ریاست ایک ایسا میدان ہیں جو عصرِ حاضر میں بد قسمتی سے افراط و تفریط، شدت پسندی اور انتہا پسندی کا موضوع بن چکا ہے۔ دین مکمل طور پر ہر چیز کا مناسب حل پیش کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور ہر جدت کے ساتھ انکا حل موجود ہے۔ لیکن کچھ جدت پسند حضرات اپنے آپکو مذہب سے آزاد سمجھتے ہیں۔ اس جدت پسند طبقے کے نظریات نے مذہب کو سیاست اور ریاست سے الگ کرنے کا ایک انقلاب برپا کیا یعنی کہ وہ ایسا تصور پیش کرتے ہیں کہ مذہب کے حوالے سے، سیاست اور ریاست دو مختلف مسائل ہیں جنکا کوئی تعلق نہیں ہونا چاہئے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں: "مذہب اسلام نے کبھی بھی سیاست کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا۔ انبیاء کرامؑ کے دور میں اجتماعی قوت کو دین اسلام کے تابع کرنے کی بھر پور جدوجہد کرتے رہے، انکی دعوت کا مقصد ہی یہی تھا کہ اقتدار صرف و صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خالص ہو جائے اور شرک کی ہر جلی و خفی شکل ختم کر دیا جائے۔"[1] "اسلامی فکر نظر سے اسلام اور سیاست سے جدا جدا ہونے کا کوئی تصور نہیں پایا جاتا یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ ایک مسلمان کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ ریاست اسلامی اصولوں کے مطابق قائم ہو۔ اور یہی جدجہد دین اسلام و ایمان کا تقاضا ہے، قرآن و حدیث میں جس طرح اخلاق اور حسن کردار کی تعلیمات موجود ہے بلکل اسی طرح تمدن، معاشرت، معشیت اور سیاست کے بارے میں واضح احکام پائے جاتے ہیں۔ اگر اس دوسرے حصے پر عمل نہ کیا جائے تو شریعت کا ایک معطل ہو کر رہ جائے گا۔ اور فقہاء نے متفقہ طور پر امامت کو فرض قرار دیا ہے، اور اس میں کوتاہی دینی حکم کی بجا آوری میں کوتاہی ہے۔"[2]

سیاست کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنے معاشرتی محیط میں برابری، تعاون، احترام اور تفاہم کے ساتھ رہتے ہوئے اس کا خوگر ہے یا اجتماعی یا معاشرتی زندگی کو پسند کرتا ہے جسکی وجہ سے وہ دوسروں کا محتاج ہے۔ اس لیے انسان دوسرے لوگوں کے ساتھ سماجی، رہن سہن اور اجتماعی روابطہ بڑھاتا ہے ایسے روابط کو مستحکم بنانے کے لئے چند قوعد و ضوابط کی ضرورت ہوتی ہے، جن کو نافذ کرنے کے لئے ایک منظم تنظیم کا ہونا ناگزیر ہے۔ جب معاشرے کے لوگ ایسے قواعد و ضوابط کی اطاعت و فرنبرداری کے لئے

ایک نظم تنظیم کے ساتھ ہو جائیں جس میں ایک مقرر کردہ یا مخصوص ادارے کے پاس اتنی قوت موجود ہو کہ وہ اپنی بات منوا سکے یا نافذ کر سکے۔ تو ایسے سوسائٹی کو "سیاسی معاشرہ" کہیں گے اور اسکے بارے میں علم حاصل کرنے کو "علم سیاسیات" کا علم کہتے ہیں۔

ڈاکٹر طاہرہ بتول سیاست کے بارے میں لکھتی ہیں کہ؛ "سیاست اسلامی معاشرے کے لئے ایک اہم عنصر ہے۔ جس کے ذریعہ اسلامی معاشرے کی فلاح و بہبود کے لئے کام کیا جاتا ہے۔ سیاست ہمارے لئے بہت ضروری ہے زندگی کے ہر مرحلہ میں اسکی ضرورت پڑتی ہے۔ سیاست کے عمل کی وجہ سے لوگ اصلاح سے قریب اور فساد سے دور ہو جاتے ہیں۔"[3]

سیاست کے مفہوم کے ساتھ اگر ریاست کی بھی توڑی سی تعریف کر لیں تو بندہ بآسانی سیاست کو سمجھ سکتا ہے۔ ریاست کے بارے میں ڈاکٹر ذیشان لکھتے ہیں کہ: "انسانی اجتماع کا سب سے بڑا مظہر ریاست ہے جب کسی قوم کے افراد کا اجتماعی شعور پختہ ہو جائے تو وہ ریاست کا قیام عمل میں لاتے ہیں افراد معاشرہ میں رہنے پر مجبور ہیں اور معاشرہ میں مختلف مسائل کا پیش آنا قدرتی بات ہے معاشرے میں لوگوں کی ضروریات کا مختلف ہونا، خود عرضی اور نظم ضبط کی عدم موجودگی میں باہمی معاملات کا خراب ہو جانا اس بات کا تقاضا ہے کہ ایک ایسی سیاسی نظام موجود ہو جو معاشرہ میں نظم و ضبط پیدا کرے اور اجتماعی ضروریات کو فراہم کرے اسی سیاسی تنظیم ریاست کہلاتی ہے۔"[4]

علم سیاسیات کی وسعت (Scope of the Subject):

سیاست کی خصوصیت یا تخصیص کو ذہن نشین کرنے لئے ضروری ہے کہ اس کے اختیارات اور دائرہ عمل کو معلوم جائے تا کہ سیاسیات کون سے بیانات، عنوانات اوسر کون سے سماجی، انفرادی و اجتماعی زندگی میں کون سے پہلوؤں کو زیر بحث لاتا ہے۔ علم سیاست کو جاننے کے لئے اسے دو طرح کے حالات میں تقسیم کیا ہے۔

1۔ حالات کے لحاض سے 2۔ عنوانات کے اعتبار سے

درجہ ذیل دو طرح کے حالات کو سامنے رکھتے ہوئے ہم علم سیاست کی وسعت کو جان سکتے ہیں؛

1. **حالات کے لحاض سے:**

حالات کے لحاظ سے سیاست کا جائزہ لینے کے لئے ہم تین زمانے (ماضی، حال، مستقبل) کی رُو سے جائزہ لیں گے؛

(الف) ماضی کے حوالے سے جائزہ (ب) حال کے حوالے سے جائزہ (ج) مستقبل سے سروکار

(الف) ماضی کے حوالے سے جائزہ

موجودہ دور کے سیاسی مسائل کو سمجھنے کے لئے ماضی کا مطالعہ نا ممکن سا لگتا ہے۔ کیونکہ تمام سیاسی اہداف اور ادارے اپنے شروعات کے دور سے نکل کر ابھی اصل شکل میں آ پہنچے ہیں۔ جب ہم کسی بات کی حقیقت کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں یا بات کی حقیقت کو معلوم کرنے کے لئے ہم اس بات کی ماضی کو دیکھتے ہیں کہ یہ بات کیسے، کہاں سے اور کب شروع ہوئی، بلکل اسی طرح ہم سیاسیات کو جاننے اور اسکی اصل حقائق کی نوعیت تک پہنچنے کے لئے ان کے ارتقائی مراحل اور ماضی کے واقعات کا مطالعہ کرنا نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ علم سیاست میں جب ہم جدید سیاست اور مختلف قسم کے سیاسی نظریات کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس کے لئے بھی ان نظریات کے ارتقائی مراحل اور نشوونما بھی کیا جاتا ہے۔ سیاست کے ماضی کے حالات پر یعنی اسی کی بنیاد پر بہترین مستقبل کی تعمیر ممکن ہے۔

(ب) حال کے حوالے سے جائزہ

سیاست کی پہچان حکومت و ریاست کے عملی کارناموں سے جانا جاتا ہے۔ وہ اس لئے کہ ایک طرف زیر نگراں اقتداری طبقہ جو کہ امورِ ریاست کے کاموں مدد حاصل ہو، اور دوسری طرف انکو اپنے رِ آیا، عوام کے حقوق اور ذمہ داریوں کا احساس ہو۔ حکومت کے بارے میں جاننا یا علم حاصل کرنا اُس صورت میں فائدہ مند ہو سکتا ہے، جب حالات حاضرہ یا رائج وقت سیاسی نظام اور ریاستی اداروں کا تقابلی مطالعہ کر کے مسلمہ اور آفاقی اصول مرتب کیے جائیں۔ لیکن تقابلی مطالعہ کی حدود کسی خاص حد تک نہ ہو بلکہ اس کے لئے حدود کا دائرہ وسیع ہونا چاہیئے۔ تا کہ اس میں سیاسی حقائق کے ساتھ ساتھ تمام اثر انداز ہونے والے عوامل اور محرکات کو معلوم کیا جائے۔ جو کہ ریاستی مسائل اور پالیسی پر اثرات کے قابل فہم ہو۔ اگر موجودہ دور کی سیاست میں تقابلی مطالعہ کی بات کریں تو اس میں حدود روایتی انداز فکر سے بلکل مختلف سمت میں جا رہی ہے۔

(ج) مستقبل سے سروکار

علمِ سیاسیات کے لئے صرف ماضی اور حال کے حوالے سے مطالعہ کرنا کافی نہیں، بلکہ یہ ریاست کا ایسا طے شدہ و مرتب علم ہے، جو کہ ہر حکومت کے ہر کام جیسا کہ کاروبار حکومت سے اور دیگر امور سے متعلق وہ اصول فراہم کرتا ہے جو عوام و ریا کے لئے باعث قدر ہو۔ علم سیاست کو پڑھنے اور سمجھنے والا طالب علم تحقیق وکھوج عملی لحاظ سے نہ صرف حال و ماضی کے واقعات اور مسائل و حقیقت کا اصل حقیقت کو جانتا ہے، بلکہ انکا مقصد ان سے حقیقی نتائج نکال کر اصول پیش کرنا ہے جنہیں ریاستی و سیاسی نظام میں نافذ کیا جا سکے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ آنے والے حالات کے لئے اصول و قوانین مرتب کرتے وقت اسکے حدود (Limitation) بہت وسیع ہوں اور اسکے ساتھ علمی طریقہ تحقیق کے تمام بنیادی اصولوں کو مقصود رکھا جائے۔ اس لحاظ سے اگر تقابلی غور و فکر، مطالعہ کی حدود جس قدر وعریض ہوں گی، ماخوذ نتائج اور مقرر شدہ اصول اسی قدر آفاقی اور مفید ہوں گے۔[5]

2. **عنوانات (موضوعات) کے اعتبار سے**

موضوعات کے لحاظ سے سیاست کا جائزہ لینے کے لئے ہم چار عنوانات کا جائزہ لیں گے؛

(الف) سیاسی فکری تنظیم نوع (ب) طرزِ حکومت (ج) انسانی تعلقات (د) دیگر پہلو

(الف) سیاسی فکری تنظیم نوع

ایک ایسی تنظیم جسکا ایک منشور ہوتا ہے۔ جو کہ معاشرے پر مثبت سیاسی اثرات کرتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ سیاست کرنا ایک طرح کا دعوت بھی ہے اس لئے سیاسی تنظیم اس فکر سے کام کرے یا نظریہ مرتب کرے جو محض قوانین، انفراسٹکچر، معاشیات جیسے عوامل پر مشتمل نہ ہو بلکہ ان کا ایک ختمی مقصد یعنی اگر یہاں اسلام کی بات کی جائے تو ایک مسلمان صرف اس دنیا کی معیشت، قوانین وغیرہ تک اس کا مقصد مکمل نہیں بلکہ اسکا مقصد وہی ہونا چاہئے جو انبیاء کرامؑ اور خلافہ راشدہ کا تھا۔ سیاسی فکر سے ہم ریاست کے فرائض معلوم کرتے ہیں، جیسا کہ ریاست کا مقصد دائرہ کار کیا ہے؟۔ کیا ریاست، حکومت معاشرتی معاملات میں دخل اندازی اور پابندی عائد کر سکتی ہے کہ نہیں؟۔ ریا کے حقوق کی پاسداری اور اقتدار اعلیٰ کے درمیان کس طرح مستقل طور پر رکھا جا سکتا ہے؟۔ اور علم سیاسیات کا تعلق بھی سیاسی افکار اور تنظیم سے ہے۔ اس کے مطالعہ سے ہم ایسے سوالات کے جوابات معلوم کر سکتے ہیں۔

(ب) طرزِ حکومت

ایک ریاست میں موجود افراد کی آزادی سارا دارومدار کافی حد تک اس ریاست کے طرزِ حکومت پر ہوتا ہے۔ ریاست کے اقتدار اعلیٰ کا مظہر حکومت ہی ہوتا ہے۔ اور سیاسی فکری تنظیم کے اعتبار سے نوعیت حکومت و طرزِ حکومت اور تاریخی ادوار میں ریاست کی طرزِ ہائے حکومت کی کامیابیوں یا ناکامیوں کے وجوہات کا جائزہ اور موجودہ طرزِ ہائے حکومت کا انکے آئینی نظام اور مختلف شعبوں کے دائرہ کے اعتبار سے تقابلی مطالعہ بھی سیاست کے دائرہ عمل میں شامل ہے۔

(ج) انسانی تعلقات

سیاسیات کے مطالعے کا دائرہ کار بہت وسیع ہے یہ علم ان تمام انسانی سرگرمیوں سے بحث کرتا ہے جو ریاست کے قانون کے دائرہ اختیار میں آتی ہوں۔ ان میں ریاست اور شہریوں کے باہمی تعلق سے لے کر دیگر انسانی اداروں اور ریاستوں کے باہمی تعلقات تک شامل ہے۔ بین الاقوامیت کے جذبہ کی فروغ عالم کی تیزی سے بڑھتے ہوئے باہمی روابط کے باعث سیاسیات کا دائرہ بحث ریاست کی علاقائی حدود پھاند کر بین الاقوامی سیاست کے مسائل تک وسیع ہو چکا ہے یہی وجہ ہے کہ ایسے عالمی مسائل مثلاً عالمگیر معاشرہ کا قیام، بین الاقوامی امن اور بین الاقوامی قانون بھی سیاست کے مطالعہ میں شامل ہیں۔[6]

(د) دیگر پہلو

سیاسی افکار کے بہت سے دیگر پہلو ہیں جیسا کہ معاشی لحاظ سے مطالعہ بھی سیاسی اداروں اور اسکی نوعیت سمجھنے میں مددگار ہوتا ہے۔ اکثر سیاسی نظریات معیشت اور معاشی اسباب و وجوہات ہی کی پیداوار ہیں۔ معیشت میں مختلف معاشی نظریات کا مطالعہ علم سیاست کا بھی موضوع رہا ہے۔ سیاست اخلاقیات کا بھی چولی دامن کا ساتھ ہے۔ علم سیاست کے ساتھ پرانا رشتہ ہے سیاسی زندگی میں جو سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے وہ اخلاقیات ہے۔ اسی بنیاد پر لوگوں کے خیالات اور افعال کا دارمدار ہے۔ ابتداء میں علم سیاسیات پر اخلاقی فلسفہ کی گرفت حاصل تھی۔ اور مسلمانوں کے لئے تو سیاسی افعال کا واحد سرچشمہ اسلام کا دیا ہوا اخلاقی اصول ہی ہے۔ جب ہم سیاسیات کی بات کرتے ہیں تو اس میں جدید سیاسی نظریات اور بہت سے جدید سیاسی تحریکیں شامل ہیں جن کا نظریہ مذہبی یا فلسفیانہ اور معاشی بنیادوں پر چلائی گئی۔

سیاست کی ضرورت اور اہمیت

قدیم مفکرین کے نزدیک علم سیاست ایک خاص مقام رکھتا ہے اور انکے افکار سے ثابت ہوتا ہے کہ علم سیاسیات کو دوسرے تمام علوم پر فضیلت حاصل ہے، ارسطو کہتا ہے کہ انسان نا صرف معاشرتی حیوان نہیں بلکہ سیاسی حیوان بھی ہے۔ جس طرح ایک فرد معاشرے کے بغیر نہیں رہ سکتا بلکل اسی طرح ایک فرد سیاسی معاشرہ کے بغیر اپنی زندگی نہیں گزار سکتا کیونکہ انکی ترقی کا محال اسکے تہذیب و تمدن پر ہے۔ اور انسان کی ترقی ہی معاشرہ کے مرہون منت ہے، اور علم سیاسیات کو جاننے کے بعد ہمیں ریاست اور حکومت کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ کہ ریاست کا کیا مطلب ہے۔؟ ریاست کے فرائض کیا ہیں۔؟ ریاست کن حقوق کی بجاآوری کا پابند ہے۔؟ سیاست سے متعلق کچھ خوبیاں درجہ ذیل ہے؛

1۔ جمہوریت میں کامیابی

عصر حاضر کی جمہوریت میں سیاست کے مطالعہ کی اہمیت اور بڑھ چکی ہے عصر حاضر میں ریاستی مقاصد کو پورا کرنے اور حکومت کو چلانے کے لئے کسی مخصوص فرد یا جماعت یا گروہ کو اختیار حاصل نہیں۔ بلکہ یہ مرضی و طاقت عوام الناس کو حاصل ہے۔ کہ عوام اپنی ہی مرضی سے حکمران، نمائندگان کا انتخاب کرے۔ اور جمہوری کا مقصد بھی یہی ہے کہ ریاست و حکومت کی پالیسیاں اور قوانین عام عوام کی خواہشات کے مطابق ہو۔ اور علم سیاسیات سے ہر فرد کو اپنے حقوق اور امور حکومت سے متعلق علم حاصل ہو جاتا ہے۔

2۔ سیاسی شعور

سیاست کے علم حاصل کرنے کے بعد ہر شہری کو ریاست و حکومتوں کی تشکیل کے مراحل میں اپنے فرائض اچھے انداز میں ادا کر سکتا ہے۔ کہ ایک فرد اپنے ووٹ کو حقدار کو دے۔ اور ووٹ کا استعمال سے پہلے فرد کو یہ جاننا بہت ضروری ہے کہ امیدوران کا اس بات کا مکمل طور پر علم ہو کہ ریاست و حکومت کے فرائض کیا ہیں۔ ماضی کی حکومتوں کی کارگردگی کو پرکھنا چاہئے۔ اور علم سیاسیات سے فرد کو عالمی تعلقات اور درپیش عالمی مسائل کا علم ہو جاتا ہے۔

3۔ حقوق کا تحفظ

موجودہ دور میں ہر فرد کے بنیادی کو ایک خاص اہمیت دی گئی ہے۔ اور اسی وجہ سے جمہوریت میں افراد، شہریوں کی بنیادی حقوق کو قانون کا حصہ بنا دیا ہے۔ اگر عوام کو اپنے بنیادی حقوق کی اہمیت کا پتا نہ ہو تو اس سے دو بڑے خطرے لاحق ہو سکتے ہیں ایک طرف معاشرتی زندگی خطرے میں پڑھ سکتی ہے اور دوسری طرح حکومت میں شخص پرستی آجاتی ہے۔ اور علم سیاسیات سے ایک فرد کو اپنے حقوق کے حفاظت کا احساس پیدا ہوتا ہے۔

4۔ سیاسی اخلاقیات کا درس

جمہوریت میں حکومت کو چلانے اور آگے بڑھانے کے لئے سیاسی اخلاقیات کے اصول و ضوابط پر عمل ضروری ہے۔ جمہوری نظام کی کامیابی تب تک ممکن نہیں ہے جب تک سوسائٹی میں اعلیٰ جمہوری اقدار موجود نہ ہو۔ جمہوریت میں مختلف نظریات کے لوگ پائے جاتے ہیں ہر فرد سے کسی بھی قسم کی توقع کی جاسکتی ہے۔ کی وہ مخالف کی زبان کو اطمینان سے سنے اور قانونی دائرے میں رہتے ہوئے اپنے جذبات و احساسات کا اظہار کرے۔ اور بلکل اسی طرح سیاسی جماعتوں اور سیاستدانوں کے لئے بھی اصول و ضوابط پر عمل ضروری ہے۔

5۔ سیاسی تربیت

عصر حاضر میں حکومت کی پالیسیوں کی انجام دہی یقیناً مشکل سا لگتا ہے۔ لیکن علم سیاسیات سے ایک شہری کو نہ صرف اپنے ووٹ کے استعمال کا پتا چلتا ہت بلکہ اسکے ساتھ وہ خود بھی اسی قابل ہو جاتا ہے، کہ وہ خود امیدار بن کر انتخابات میں حصہ لے کے حکومت میں شرکت کرے۔ اور علم سیاسیات سے ایک شہری کو ریاستی اداروں کا بننا، اور ان اداروں کے فرائض کا علم حاصل ہو جاتا ہے۔

6۔ طرز عمل کی اصطلاح

علم سیاسیات کا ایک فائدہ یہ بھی ہے افراد کو ریاستی ذمہ داریوں کا علم ہو جاتا ہے کہ کس طرح اشہری اپنے جائز مطالبات منظور کروا سکتا ہے، بالفرض اگر کہیں ریاست و حکومت اپنے فرائض وڈیوٹی ہٹ جائے یا انکار کرے تو ایک شہری ہونے کے ناطے شہری قانون کے مطابق اسکے پاس یہ حق موجود ہے کہ وہ حکومتی رویہ، طرز عمل کو درست کر دیں۔ اور اگر شہری اپنے حقوق کے لئے غیر قانونی راستہ اختیار کر لیتا ہے تو اس صورت میں تباہی و بربادی اسکی مقدر بن جاتی ہے، مختصر بات یہ کہ علم سیاسیات سے مختلف موضوعات کے اعتبار سے افراد کا طرز عمل کا تعین کرتا ہے۔ تاریخ انسانیت میں علم اور سیاست کے تعلقات بہت گہرے اور مضبوط رہے ہیں۔ علم کے بغیر سیاست کو سمجھنا، اس پر سوچنا اور تصور کرنا ناممکن ہے۔ دنیا بھر کی مذاہب کی تاریخ میں اللہ تعالیٰ نے نبوت، پیغمبری، اور حکمرانی کو باہم جوڑا ہے۔ یہاں مثالوں کی صورت

میں حضرت سلیمان، حضرت داؤد، حضرت یوسف، اور رسول اللہ ﷺ کی زندگی کی براہ راست گواہی دی جاسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سیاست کو تقویٰ اور علم کی فضائل پر مبنی رکھا ہے، جس کا ثبوت خلفاء راشدین کی زندگی کے ذریعے بھی موجود ہے۔ یہ تناسب صرف اسلام کی خاصیت نہیں ہے بلکہ دیگر مذاہب میں بھی اس روایت کی مثالیں پائی جاتی ہیں، جو انکے خود کے نظریات پر مبنی ہیں۔

مذاہب میں سیاست کی اہمیت:

(الف) اسلام

اسلام اللہ تعالیٰ کا آخری دین اور حضور اکرم ﷺ سردار الانبیاء ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں ایمان کے بعد سب سے زیادہ زور علم پر دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں 800 سے زائد مقامات پر علم یا اس کے متعلقات کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ تہذیبی اور معاشرتی حوالے سے دیکھا جائے تو اسلام صرف دو فضیلتوں پر اصرار کرتا ہے۔ تقویٰ کی فضیلت پر اور علم کی فضیلت پر۔ ایک اعتبار سے دیکھا جائے تو تقویٰ اور علم کا تعلق یہ ہے کہ علم تقویٰ کی گویائی ہے اور تقویٰ علم کی خاموشی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں کی اصل ایک ہے۔ رسول اکرم ﷺ کی ذات گرامی کا معاملہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایمان، تقویٰ اور علم کی کامل ترین صورت ہیں۔ آپ ﷺ کی ذات کی کمالات کی اصل یہ ہے کہ آپ ﷺ کی تعلیم و تربیت خود اللہ تعالیٰ نے فرمائی اور آپ ﷺ کو وہ علم عطا کیا گیا جو کسی اور کو نہیں دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کمالات کے ساتھ اہل ایمان کی قیادت کی۔ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں ریاست کی بنیاد رکھی اور علم وحی کی روشنی میں مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کی نگرانی کی اور ان کی خدمت اور خیر خواہی کے اسالیب مرتب فرمائے۔ اسلام میں ریاست کی غایت اور سیاست کا مقصد یہی ہے کہ اللہ کے کلمے کو غالب کیا جائے اور مسلمانوں کے اجتماعی امور کی دیکھ بھال کی جائے اور ان کی خدمت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی جائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مسلمانوں کے درمیان رہے وہ علم وحی کی بنیاد پر امتِ مسلمہ کی قیادت فرماتے رہے۔ اور حضور ﷺ کے بعد والا دور خلافت راشدہ ہے جن کی خلافت سے ہم سیاست کی اہمیت اور اسکی افادیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔[7]

(ب) ہندوازم

ہندوازم کی تاریخ میں برہمن اور اکشتریہ کا اکٹھا پن علم اور سیاست کی ملاپ کو ظاہر کرتا ہے۔ برہمن کو کسی خاص نسل یا ذات سے منسوب نہیں کیا جاتا، بلکہ وہ ایک باطنی، روحانی اور علمی صلاحیت کا نمائندہ ہے۔ برہمن طبقہ تقویٰ اور علم کی یکجا پرستی کی علامت تصور کیا جاتا ہے۔ اور وہ اپنی کتب اور مذہبی تعلیمات کے "مفسر" اور "عقیدے کا محافظ" ہیں۔ اکشتریہ کو جسمانی و ظاہری قوت کی علامت تصور کیا جاتا ہے اور وہ "ریاست کا محافظ" سمجھا جاتا ہے۔ البتہ، اکشتریہ کو برہمن کی رہنمائی درکار ہوتی ہے کیونکہ اکشتریہ کے مقابلے میں برہمن کے پاس تقویٰ اور علم کی فضیلت زیادہ ہوتی ہے جو کسی اور کے پاس نہیں ہوتی۔ اسی طرح، ہندوازم میں کرشن اور ارجُن کا تعلق اس تعلق کی کلاسیکل مثال ہے۔

(ج) عیسائیت

عیسائیت کی تاریخ میں چرچ اور بادشاہت کا "اتحاد" اصولی اعتبار سے دین اور دنیا کا اتحاد تھا۔ اس اتحاد کی ضرورت اس لئے محسوس کی گئی تھی کہ مسیحیت کی تاریخ میں رسولِ اکرم ﷺ کی مثال موجود نہ تھی۔ اگر حضرت عیسیٰ نے حکومت کی ہوتی، تو مسیحیت کی تاریخ میں بھی دین اور دنیا کی یکجاوٹ موجود ہوتی۔ مسیحیت کی تاریخ میں خلافتِ راشدہ کا تجربہ بھی موجود نہ تھا، اس لئے بھی مسیحیت کو یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ روحانی اور سیاسی اختیار کو ایک "اکائی" تخلیق کرے۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو مسیحیت کی تاریخ میں کلیسا اور بادشاہت کے اتحاد میں کوئی برائی نہیں تھی۔ لیکن مسئلہ یہ ہوا کہ کلیسا نے خود کو مذہب کی سطح پر لے جانے کے بجائے مذہب کو اپنی سطح پر لے آئی، وہ "حق" کی بجائے اپنے "مفادات" کا تحفظ کرنے لگی۔ چنانچہ یورپ میں چرچ کی وجہ سے مذہب کے خلاف جذبات پیدا ہونے شروع ہوئے جو مذہب کے خلاف مکمل بغاوت پر منتج ہوئے اور مغرب میں ریاست و سیاست اور اجتماعی زندگی کے تمام معاملات سیکولر طرز فکر کی نذر ہو گئے۔ یہاں تک کہ اس طرز فکر نے پوری دنیا کو اپنی گرفت میں لے لیا اور خود مسلمان بھی اس طرزِ فکر سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔[8]

اسلامی ریاست کی نمایاں خصوصیات

اسلامی ریاست کی خصوصیات سے پہلے حاکمیت کے بارے میں جاننا بہت ضروری ہے کیونکہ اسلامی ریاست کو قبول کرنے اور اس میں زندگی گزارنے کے لئے اسلامی نقطہ نظر سے حاکمیت کے بارے میں جاننا بے حد ضروری ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلام "حاکمیت یا حکمرانی" کا مقام و مرتبہ کس کو دیتا ہے، حکمران میں کیا کیا خصوصیات ہونی چاہئے؟

"اس کا قطعی اور ناطق جواب قرآن سے ہمیں یہ ملتا ہے۔ کہ حاکمیت ہر معنی میں اللہ کی ہے۔ اس لئے کہ وہی فی الوقت حاکمِ حقیقی ہے"[9]

قرآن کریم میں ہمیں حاکمیت سے متعلق حتمی اور واضح ثبوت ملتے ہیں حاکمیت کا مالک صرف و صرف اللہ رب تعالیٰ کی ذات ہے۔ پورے کائنات میں اسکی حاکمیت ہے۔ کوئی اس سے بالاتر نا تھا ہے اور نا آئے گا۔ اس دنیاوی زندگی میں اور یوم آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ کی حاکمیت ہو گی۔ اور وہی حاکم حقیقی ہے۔ اگر دونوں جہانوں کا بھی وہی مالک ہے تو پھر انسان کو یہ مان لینا چاہئے کہ اسی کو حاکم اعلیٰ یا حکم حقیقی تسلیم کر لیا جائے۔ حاکمیت کا لفظ علم سیاسیات میں اقتدار اعلیٰ کے معنی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اقتدار اعلیٰ ریاست میں موجود شہریوں پر اپنا حکم چلانے کا اختیارات حاصل ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے؛

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ[10]

ترجمہ: "اختیار مطلق تو صرف اللہ ہی کا ہے اس نے حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی بندگی مت کرو یہی ہے دین سیدھا (اور ہمیشہ سے قائم و دائم) لیکن اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔"

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ[11]

ترجمہ: "لوگو! جو چیز تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے اتاری گئی ہے اس کی پیروی کرو اور اس کے ماسوا سرپرستوں کی پیروی نہ کرو۔"

ایک اور جگہ اللہ کی اس قانونی حاکمیت کو نہ ماننے والوں کو کفر سے تعبیر کیا ہے:

وَ مَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ[12]

ترجمہ: "اور جو اللہ کی اتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی تو کافر ہیں۔"

اسلامی ریاست کا قیام کیسے عمل میں لایا جائے اس کے لئے ریاست کے چند خصوصیات درجہ ذیل ہیں؛

1. **اقتدار اعلیٰ**

اسلامی ممالک میں اقتدار و طاقت اور قانون صرف و صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہوتا ہے۔ اور ریاست میں موجود کوئی فرد اسکے بنائے ہوئے قانون و احکامات کے خلاف اپنی طرف سے عقلی احکامات جاری کرنے کا اختیار نہیں۔ دین اسلام کی رُو اس پورے کائنات کا صرف ایک ہی خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی مالک ملک اور رب العالمین ہے۔ اس وجہ سے حکومت و حکمرانی کرنا بھی صرف اسی کا حق ہے۔ بلاشبہ حکمرانی و حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ قرآن کریم ارشاد ہے؛ إِنِ الْحُكْمُ إِلاَّ لِلّهِ[13] ترجمہ: "بے شک حکمرانی کا حق صرف اللہ کو ہے۔" فَالْحُكْمُ لِلّهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ[14] ترجمہ: "پس حکمرانی اللہ بزرگ و برتر کے لئے ہے۔" وَلا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا[15] ترجمہ: "اور وہ اپنی حکومت میں کسی کو شریک نہیں بناتا۔"

اوپر بیان کئے گئے آیات سے صاف واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک اس کائنات میں مخلوقات کا صرف رب اور الٰہ نہیں ہے بلکہ ان پر بادشاہت اور حاکم بھی ہے۔ اس سے ہم یہ اخذ کر سکتے ہیں کہ ایک انسان پیدائشی طور پر اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے اور انسان کو اشرف المخلوقات بھی کہا گیا ہے، انسان اللہ تعالیٰ کا بندہ، مخلوق اور محکوم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی قانون ساز اور حقیقی فرمانروا ہے۔

2. **خلیفہ بحثیت نائب**

ایک اسلامی ریاست و حکومت میں شارع کے بتائے ہوئے احکامات کو نافذ کرنے کے لئے معاشرے میں ہی سے ایک انسان کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو اس بڑے کام کو اپنے کاندھوں پر اٹھائے۔ اور یہ کام اولعزم پیغمبروں نے بھی یہ ذمہ داری اٹھائی تھی جیسا کہ حضرت داود، حضرت سلیمان، حضرت یوسف، حضرت موسیٰ اور حضرت محمد ﷺ نے اس عظیم کام کو باخوبی پائے تکمیل تک پہنچایا۔ جو بھی یہ عظیم قیادت کو لے گا وہ اس روئے زمین پر اللہ کا نائب ہوتا ہے۔ جسے خلیفہ یا امام مانا جاتا ہے۔ اور حکمران اپنی خواہشات کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا البتہ اسکا مقصد عوام کو اپنی اطاعت میں لانا ہے۔ کیونکہ وہ تو اللہ کے احکامات کو اقتدار کے طاقت سے انسانوں پر نافذ کرتا ہے۔ خلیفہ کے اس فریضہ کو پائے تکمیل کے لئے امام، خلیفہ کی اطاعت مسلمانوں پر واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے؛

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ[16] ترجمہ: "اے ایمان والو، اللہ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اولوالامر کی۔"

اسی فکر میں حضرت ابو بکر صدیق نے خلیفہ بنتے ہی لوگوں سے کہا کہ: "میں آپ پر حکمران بنایا گیا حالانکہ میں آپ لوگوں میں سے سب سے بہترین آدمیوں میں سے نہیں ہوں۔ اب میں آپ لوگوں پر حکمران ہوں لہٰذا اب میری اطاعت کرو اس وقت تک جب میں اللہ اور رسول کا اطاعت کرتا رہوں اور اگر کبھی

میں اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت سے منہ موڑلوں یا منکر ہو جاؤں تو اس صورت میں تم لوگوں پر میری اطاعت واجب نہیں۔ میں خود بھی فرماں بردار اور پیروی کرنے والا ہوں۔ نئی راہ نیا قانون بنانے والا نہیں ہوں۔"[17]

اسی طرح حضرت عمر فاروق نے فرمایا: "لوگو! کوئی حقدار شخص اپنے حق میں اس درجہ کو نہیں پہنچا کہ اللہ کی معصیت میں اس کی اطاعت کی جائے۔"

3. مجلس شوریٰ

اسلامی ریاست میں اللہ کا حکم کو نافذ کرنے کے لئے حکمران یا خلیفہ قابل فہم لوگوں سے مشاورت کرتا ہے۔ تاکہ اللہ کے احکامات کے مقصد و مراد تک صحیح پذیرائی ہو۔ اس اعتبار سے اسلامی کا سیاسی نظام مارشل لا (ڈکٹیٹر شپ) اور آزادانہ و جابرانہ نظامِ حکومت کی نفی کرتا ہے۔ اسلامی سیاسی نظام حکومت میں "مشاورت" ایک اہم عنصر ہے۔ مشاورت کے بغیر حکومت ملوکیت، امریت کا روپ دھار لیتی ہے۔ خود نبی کریم ﷺ کا بھی یہی اصول تھا، جب کچھ وقت کے لئے یا کچھ امور میں وحی کا نازل ہونا بند ہوا تو حضور ﷺ صحابہ کرام سے مشاورت کیا کرتے تھے اور اسی طرح پھر صحابہ کرام بھی مسائل کے حل یا کچھ کرنے کے لئے پہلے آپس میں مشورہ کرتے تھے۔ اسکا ذکر قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے؛

وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ[18] ترجمہ: "اور ان کے کام آپس میں مشورے سے ہوتے ہیں۔"

حضور ﷺ ہر جگہ یہی مشاورت کا اصول بنایا چاہے وہ جنگ کا میدان ہو یا حکومتی پالیسیاں یا قوموں سے معاہدے۔ حضور اکرم ﷺ کے وفات کے بعد خلافت کے لئے حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا انتخاب عمل مشارت سے کیا۔ حضرت عثمان کی خلیفہ تقرری کے لئے مدینہ کی گلیوں، تجارتی قافلوں میں مردوں اور عورتوں سے بھی مشورہ لیا گیا تھا۔ خلیفہ راشدہ کے ادوار میں انہوں نے امورِ حکومت کے لئے ایک مشاورتی کابینہ تشکیل دی تھی۔ جس میں وہ تمام جلیل القدر صحابہ کرام اور قابل ترین دانشور شامل ہوتے تھے۔ حکومتی جتنے بھی فیصلے ہوتے تھے وہ اس مشاروتی کابینہ کے اجلاس میں بحث و تمحیص اور کافی غور فکر بعد کوئی فیصلہ صادر کرتے تھے۔

4. مساوی حقوق کی فراہمی

ایک اسلامی مملکت میں تمام انسانوں کو بنیادی حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ نوع انسانی میں کسی کا فرق نہیں ہوتا رنگ، نسل، علاقہ، زبان اور نا مذہب کی تفریق نہیں کی جاتی، اسلام کے نظر میں نظریہ تخلیق کے مطابق تمام افراد برابر ہیں۔ اگرچہ ان میں جنس کا فرق ہے مرد اور عورت الگ الگ ہیں۔ جب انسانوں کی آبادی بڑھتی گئی تو انہیں مخصوص گروہوں اور قبائل میں تقسیم کیا تاکہ پہچان میں آسانی ہو۔ لیکن قبائلی تقسیم صرف پہچان کے لئے بنائے گئے۔ لیکن ان قبائل میں سے کسی کو دوسرے قبیلہ پر فضلیت یا برتری حاصل نہیں کیونکہ برتری اور فضیلت کا بنیاد صرف تقویٰ ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے؛

يٰۤاَيُّهَاالنَّاسُ اِنَّاخَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْۤاۚ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ[19] ترجمہ: "اے لوگو! ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے ایک مرد اور ایک عورت سے اور ہم نے تمہیں مختلف قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا ہے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ یقیناً تم میں سب سے زیادہ با عزت اللہ کے ہاں وہ ہے جو تم میں سب سے بڑھ کر متقی ہے۔"

حضور اکرم ﷺ نے حجتہ الوداع کے موقع پر لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا؛

أَيُّا النَّاسُ !أَلَآ إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى أَعْجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ وَلَا لِأَحْمَرَ عَلٰى أَسْوَدَ وَلَا لِأَسْوَدَ عَلٰى أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوٰى[20] ترجمہ: "لوگو! غور سے سنو بے شک تمہارا خالق و مالک ایک ہے۔ تم میں سے کسی عربی کو عجمی پر اور کسی بھی عجمی کو عربی پر اور نہ کسی کالے کو گورے پر اور نہ کسی گورے کو کالے پر کوئی برتری حاصل نہیں سوائے تقویٰ کے۔"

اوپر بیان کیا گیا آیت اور یہ حجتہ الوداع کے الفاظ پر غور فکر کریں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ؛

1۔ ان دونوں باتوں میں پورے انسانیت کے لئے ایک سبق ہے۔ کہ کسی بھی مخصوص جماعت، گروہ یا مذہب ماننے سے نہیں۔ بلاشبہ ایک مسلم ریاست میں شہری حقوق صرف مسلمانوں کے لئے نہیں، بلکہ تمام انسانوں کے لئے برابر ہوں گے۔

2۔ مذکورہ آیت اور حجتہ الوداع دونوں خطاب سے تمام انسانوں کو مساوات کا درس دیتا ہے۔ تخلیقی لحاظ سے تو مرد اور عورت کے جوڑے پیدا کئے گئے ہیں۔ اور عالم انسان کی تخلیقی نشو نما، قوت مدافعت اور صلاحیتوں میں اضافہ کرنے والا صرف ایک اللہ کی ذات ہے۔ پیدائشی نشو نما کے لحاظ

سے تمام عالم کے انسان ایک ہیں۔ لیکن یہاں افسوس اس بات کا ہے کہ دوسروں کی طرح آج کا مسلمان بھی رنگ، نسل، ذاپ پات اور وطن پرستی، علاقہ پرستی کی بنیاد پر دوسرے ترجیح دیتا ہے۔

5. **معاملات کا حل عدل کی بنیاد پر**

عدل وہ ہے کہ حق حقدار کو دینا۔ اسکا متضاد ظلم ہے۔ قرآن کریم حق اور ظلم کی مذمت میں بہت آیات نازل ہوئی ہیں۔ کیونکہ اسلامی ملک میں تمام احکامات پر عمل اور معاملات کی بنیاد ہی عدل ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے؛

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَ لَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ[21] ترجمہ: "اے اہل ایمان! اللہ تعالیٰ کے لئے عدل و انصاف کی ڈٹ کر گواہی دو چاہے وہ خود تمہارے، تمہارے اپنے والدین اور قریبی لوگوں کے مخالف ہی کیوں نہ ہو۔"

عدل و انصاف کو مطلب ہی یہی ہے کہ انسان کو کام اور اپنے کردار کے مطابق اسکو سزا و جزا دی جائے اور اس میں یہ نہ دیکھا جائے کہ یہ میرا دوست ہے یا دشمن ایسی تفریق نہیں ہونی چاہئے۔

وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى[22] ترجمہ: "اللہ کے لیے اس کی شہادت دیتے ہوئے، اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر نہ ابھارے کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کرو۔ یہی تقوی سے قریب تر ہے۔"

انبیاء کی زندگی اور ان پر کتابوں کا نازل کرنے کا ایک یہ مقصد بھی تھا کہ لوگوں میں انصاف قائم کیا جائے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ[23] ترجمہ: "ہم نے بھیجا اپنے رسولوں کو واضح نشانیوں کے ساتھ اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔"

6. **اظہار رائے کی آزادی**

اسلامی ریاست میں اقتدار اعلیٰ اللہ رب کریم کے پاس ہوتا ہے۔ اس لئے اسلامی ریاست میں ہر فرد کو اپنے رائے کے لحاظ سے آزادی ہوتی ہے۔ اور شارع کے احکام کی تعبیر، تشریح، تنقید اور تفسیر کی آزادی ہے بشرطہ کے مکلف کے پاس مناسب دلائل کی بنا پر اپنی رائے کا اظہار کرے۔

دین اسلام ایک نرم مزاج دین ہے حریت و آزادی کے لحاظ سے افراد کو سیاسی طور پر بھی آزادی کا مستحق قرار دیتا ہے۔ اسلامی مملکت میں شہریوں کو حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ حکومتی پالیسیوں میں اپنی رائے رکھ سکتے ہیں لیکن اسلامی حدود کے اندر اسکو یہ آزادی حاصل ہے۔ کوئی بھی شہری اپنی رائے کو دوسرے لوگوں تک پہنچانے کے لئے کسی چیز، میڈیا یا تقریر و تحریر کا سہارا لے سکتا ہے۔ لیکن یہ آزاد اظہار رائے کسی عزت و قار، نفرت، فساد اور فحش نگاری سے متعلق نہ ہو، ایسی رائے کا اظہار اسلام اسکی اجازت نہیں دیتا۔ لہٰذا آزادی رائے اسلامی حدود کے اندر ہونی چاہئے۔

تاریخ اسلام کے ابتدائی دور میں خلفائے اسلام پر بڑے اجتماع میں تنقید ہوا کرتے تھے۔ اور اسکے سامنے خلفاء بھی ایسی معقول تنقید کے سامنے اپنا حکم بدل لیتے تھے۔ اس سے متعلق ایک واقعہ ہے؛ حضرت ایک اجتماع میں تقریر کر رہے تھے اس دوران حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عورتوں کو زیادہ مہر دینے سے منع فرمایا تو اس مجمع میں ایک عورت اٹھ کر بول پڑی کہ؛ "اے عمر! تمہیں یہ حق کس نے دیا کہ تم عورتوں سے اسکا حق دینے سے منع کرے جو کہ خدا نے دی ہے۔" اور عورت نے قرآن کی یہ پڑھی؛

وَ اِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّ اٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا[24] ترجمہ: "اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی بدلنا چاہو اور تم نے ایک کو ڈھیروں مال دے رکھا ہو تو بھی اس میں سے کچھ نہ لو۔"

عورت کی طرف سے یہ معقول دلیل سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی مجمع میں کہ دیا کہ؛ "عمر نے غلطی کی اور عورت نے ٹھیک کہا۔"

اسی طرح دوسرا واقعہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ خطبہ جمعہ دے رہے تھے کہ اس دوران حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کہ: "ہم تمہاری بات نہ سنیں گے اور نہ اس پر عمل کریں گے جب تک اس سوال کا جواب معلوم نہ ہو کہ ہمیں مال غنیمت میں سے جتنا حصہ ہمیں ملا تھا اس سے ہمارا کرتہ تو نہیں بن سکا پھر تیرا کیسے بن گیا۔"

اس اعتراض پر اس وقت حضرت عمر بیٹھ گئے اور اپنے بیٹے عبد اللہ کو کہا کہ اسکا جواب دے۔ عبد اللہ بن عمر کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ "اے لوگو! یہ بات صحیح ہے کہ مال غنیمت سبکو جتنا حصہ ملا تھا اس سے کسی بھی بندے کا کرتہ نہیں بنتا۔ اور مجھے جو حصہ مالِ غنیمت سے ملا تھا میں نے اپنا حصہ اپنے والد صاحب کو دیا جس سے انکا کرتہ بن گیا۔ یہ سن کر صحابی خاموش ہو گیا۔"

7. عقیدے کی آزادی

اسلامی ریاست میں کسی شہری کو عقیدہ کے سے پابند نہیں کیا جاتا، ہر شہری کو اسکے مذاہبی رسومات کی مکمل طور پر آزادی ہوتی ہے۔ وہ اپنی عباد گاہ میں جاسکتا ہے۔ اور اسلام تو ہے ہی وسعت النظری کا دین ہے۔ اسلام کسی چیز میں زبردستی کا قائل نہیں ہے۔ اور طاقت کے بلبوطے پر اپنے پروکار نہیں بناتا بلکہ معقول دلیل اور اپنی صداقت سے لوگوں قائل کرتا ہے۔

لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّيْنِ[25] ترجمہ: "دین میں زبردستی نہیں ہے۔" ایک مسلم ملک میں غیر مسلم کو مکمل طور پر اپنی تہذیب، عقیدہ اور روایات کے مطابق زندگی گزرانے کی اجازت ہوتی ہے۔ اور انکے مذہبی حقوق کی حفاظت بھی حکومت کی ذمہ داری ہوتی ہے۔[26]

اسلام انسانیت کے لئے ایک ضابطہ حیات ہے اسلام جہاں افراد کی انفرادیت کی حقیقت پر توجہ دیتا ہے۔ وہیں اسلام معاشرتی زندگی کے اصول بتاتا ہے۔ یہ تمام زندگی کے شعبوں میں انسانیت کی راہ نمائی کا سبق بھی دیتا ہے۔ اسلام کا سیاسی نظام اور حکومتی نظام، موجودہ جمہوری نظام سے بالکل مختلف ہیں۔ اسلامی نظریہ حیات میں عبادت کی اہمیت کے ساتھ ساتھ، لین دین، اقتصادی، سیاسی اور معاشرتی زندگی کو بھی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ اسلام انسانیت کے تمام پہلوؤں کو ترقی دینے کیلئے موثر ضوابط و اصول پیش کرتا ہے۔ اس کا نظام انصاف، عدل، برابری، احسان، اخلاقیت، امن و امان کو فروغ دیتا ہے اور معاشرتی ترقی کے لئے مثبت تبدیلیاں لاتا ہے۔ اسلام کا اپنا معاشی نظام اور اپنے ہی اصول ہیں اسی طرح سیاسیات میں بھی اسلام کا سیاسی نظام موجود ہے اسلامی نظریہ سیاست میں ریاست و حکومت اور دین و سلطنت ایک ساتھ چلتے ہیں، یہ سب ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ دین و سیاست ایک دوسرے کے مددگار اور دین و سیاست کے تقاضے ایک دوسرے سے پورے ہوتے ہیں۔

دین اسلام کے ساتھ حکومت کے تعلقات بہت اہم ہیں۔ جب دین میں کمزوری پیدا ہوتی ہے، تو حکومت میں بھی اس کا اثر نظر آتا ہے۔ دین کی حمایتی حکومت کے بغیر، دین کی قوت و تاثیر کمزور پڑ سکتی ہے۔ اس طرح، دین اور حکومت کے نشانات کمزور ہونے لگتے ہیں۔ دین اسلام نے اپنی تاریخ اسلامی میں ریاست و حکومت کی اہمیت و ضرورت کو کبھی بھی نظر انداز نہیں کیا۔ انبیاء کرام (صلی اللہ علیہم اجمعین) کے وقت بھی، انہوں نے اسلام کی اجتماعی طاقت کو تابع کرنے کی کوشش کی۔ ان کی دعوت و تبلیغ کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ اقتدار صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جائے اور شرک کو ختم کیا جائے۔ قرآن مجید کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤد (علیہ السلام)، حضرت موسیٰ (علیہ السلام)، حضرت یوسف (علیہ السلام) اور حضرت محمد ﷺ نے اسلامی ریاست کو قائم کیا اور اسے اصولی و معیاری شکل میں چلایا۔

اسلامی نقطہ نظر میں دین اور سیاست کوئی تضاد نہیں اور نہ دوری کا کوئی تصور ہی نہیں اور اس کا نتیجہ یہ ہے، کہ مسلمانوں نے ہمیشہ اپنی بقا کے لئے ریاست و حکومت کو اسلامی اصولوں پر قائم کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور یہ کوشش ان کے دین اسلام اور ایمان کا طرزِ عمل بھی ہے۔ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں جس طرح اخلاقی حسنِ کردار سے متعلق تعلیمات موجود ہیں۔ اسی طرح معاشرتی زندگی، تہذیب و تمدن اور سیاست و ریاست کے بارے اصول و ضوابط کے ساتھ واضح احکامات موجود ہیں۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں؛

جلالِ بادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

ڈاکٹر علامہ اقبال کا یہ شہرہ آفاق شعر بڑا بامعنی اور پر اثر ہے۔ چنگیزی سے مراد لاقانونیت ہے ظلم و جبر اور خون خرابہ ہے۔ اگر مسلمان قوم ملک کے نظم و نسق اور نظام چلانے میں دین سے علیحدگی اختیار کر لیں تو پھر تباہی شروع ہو جاتی ہے، ظلم و زیادتی، ناانصافی، بے راہ روی اور خون خرابہ ہی بڑھتا چلا جاتا ہے جیسا کہ آج کا ہمارا معاشرہ بے لاگام و بے مہار ہے اور ہزار کوششوں کے باوجود نہیں سنبھالا جا رہا۔

اسلام واحد مذہب ہے جس نے بنی آدم کی مکمل رہنمائی کی ہے۔ اسلام دینی، معاشرتی، اخلاقی، سیاسی، سماجی، اقتصادی اور دیگر شعبوں میں کامیابی کے اصول فراہم کرتا ہے۔ دین و دنیا کی تفریق کو رد کرتا ہے اور دنیاوی مسائل کو بھی دین کی روشنی میں حل کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ سیاست تدبیر، حکمت، اصولوں کی تشکیل اور تنظیم کا نام ہے۔ معاشرے کی فلاح کے لئے کام کرنے والے افراد، اصولوں پر گامزنی کرتے ہیں جو ریاست مدینہ کے اصول ہیں۔ اسلامی سیاست کا مقصد ہے کہ قرآنی تعلیمات کی روشنی میں ایک معاشرہ بنائیں، جہاں انسانوں کے عام فائدے، بہتری اور تنظیم کیلئے مضبوط سیاسی قوت موجود ہو۔ اس میں تمام افراد کو یکساں حقوق، انصاف، عزت و

آبرو، احترام اور محافظت ملے۔ حکومت افراد کی جان ومال، عزت و آبرو کی محافظت کرتی ہو۔ تمام لوگوں کی ضروریات پوری ہوں، خوراک، لباس، رہائش، اور زندگی میں کسی قسم کی تنگی نہ ہو، تعلیم، صحت، اور روزگار کی ترتیبات ہر شخص کے لئے برابر ہوں، مالی معاونت کا انصاف اور مناسب تقسیم، غریبوں اور بے کسوں کی مدد، قرض داروں کے قروض کی اچھی واپسی، بے گھر لوگوں کی رہائش کا اہتمام، اور بیواؤں کی حفاظت. دینی اصول سے علیحدہ کر کے، سیاسی اقدامات نے اس کام کو دین سے جدا کر دیا گیا ہے، جس سے علماء بھی آزاد نہیں رہے، اور انبیاء اور علماء نے ہی اس کام کو پیش کیا ہے۔ اللہ کے تمام انبیاء اور رسولوں نے اس کام کی ذمہ داریاں نبھائی ہیں۔ حضور نبی آخر الزمان ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب اور تابعین نے یہ کام جاری رکھا ہے۔ آپ ﷺ نے بنی آدم کی فلاح و بہبود کیلئے مشقتیں برداشت کی ہیں۔

اسلام مسلمانوں کی نظریاتی بنیاد ہے۔ کوئی مسلمان ایسے سیاسی نظام کو قبول نہیں کر سکتا جو مذہبی اصول سے آزاد ہو، یعنی دین کے بغیر ہم مسلمان کسی زندگی فلسفہ کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں، چاہے وہ معاشرتی، سیاسی یا تجارتی ہو۔ اسلام کا حکومت، قیادت اور سیاست سے وہی تعلق ہے جو اس کائنات کی کسی بڑی حقیقت سے ہو سکتا ہے۔ قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں، مذہب، سیاست اور حکومت کے تعلقات کا اہم حصہ ظاہر ہوتا ہے۔ اللہ کی طرف سے انبیاء کا بھیجنا صرف زمین تک نہیں تھا، بلکہ انہیں خدا کی راہنمائی کو زمین پر عملی شکل دینا اور ان کے ذریعے قوانین الٰہی کو نافذ کرنا تھا۔ انبیاء نے منکرین سے مقابلہ کیا اور خدا کے قانون کی ترویج کی۔ حقیقت یہ ہے کہ سیاست سے دور رہتے ہوئے خدا کے حکم کو عملی شکل دینا اور حکومت کا انتظام ممکن ہے۔ پھر یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ اللہ کے پیغمبر سیاسی نہیں تھے۔ کیا کسی حکمران کا کارکن غیر سیاسی ہو سکتا ہے؟ کیا کسی بادشاہ کے متوالے غیر سیاسی ہو سکتے ہیں؟ کائنات کا سب سے بڑا بادشاہ کون ہے؟ کائنات کا سب سے بڑا حکمران کون ہے؟ کائنات کا سب سے بڑا مدبر، تدبیر و انتظام کرنے والا کون ہے؟ یہ کائنات کے سب سے بڑے بادشاہ، مدبر و تنظیم کرنے والے کے کارکن ہو کر اپنے اوپر غیر سیاسی ہونے کا لیبل لگاتے ہیں۔ یہ اس سب سے بڑے بادشاہ کے کارکن ہو کر اس کی کائنات میں اس کے احکام رائج کرنے کی سیاست نہیں کرتے۔ یہ سیاست تو انبیاء کا وظیفہ رہا ہے یہ جس سے الگ تھلگ، بے وقعت و بے اختیار ہو کر بیٹھے ہیں۔ احادیث مبارکہ اور ان کی تشریحات میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سیاست انبیاء اور علماء کا وظیفہ ہے۔

قرآن کریم میں حکم خداوندی ہے؛

وَ لَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ[27] ترجمہ: "اور بیشک ہم نے ذکر (پہلی آسمانی کتاب نصیحت یعنی تورات) کے بعد زبور میں بھی لکھ دیا تھا کہ زمین کے وارث ہمارے نیک اور صالح بندے ہوں گے۔"

خدا کا فرمانبردار بندہ ہی خدا کی فرمانبردار قوم پیدا کر سکتا ہے۔ خدا کا تابعدار بندہ ہی حقیقی معنوں میں قوم سے خدا کی تابعداری کر سکتا ہے۔ خدا سے خوف رکھنے والا بندہ ہی قوم کو خدا سے خوفزدہ راستے پر ڈال سکتا ہے۔ دنیا میں خدا سے سب سے زیادہ خوفزدہ لوگوں کا مثالی نمونہ قرآن میں پیش کیا گیا ہے۔

ہمیں ایسے لوگوں سے توقع کرنی چاہیے جو احساسِ فطرت سے بالغ ہوں اور اپنی تحقیقات کرتے ہوں۔ ہم حضرت سلیمان علیہ السلام کی ذہانت اور فہم کی مثال چیونٹی سے نہیں دے سکتے ہیں۔ ہمیں گدھوں پر کتابیں لادنے والوں سے کچھ امیدیں نہیں رکھنی چاہیے، اگر دو سو گدھے بھی جمع ہو جائیں تو ان سے ایک انسان کے فکر کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ آپ حضور سید عالم ﷺ کی عملی زندگی کا مطالعہ کریں تو ثابت ہو گا کہ آپ ﷺ کی زندگی دین سے بڑھ کر زیادہ سیاسی تھی۔ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب دن رات خدا کی کائنات میں اس کے قانون، اس کی شریعت کے نفاذ کیلئے لڑے ہیں، قربانیاں دیں ہیں۔ خلفائے راشدین سے بڑھ کر زیادہ سیاسی، مدبر و منتظم کون تھا؟ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسا مدبر و منتظم آج تک تاریخ انسانی نے پیدا نہیں کیا۔ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ و اہل بیت اطہار کی قربانیاں بھی زمین پر خدا کے قانون کے نفاذ کیلئے تھیں۔ اسلام ایسی ہی سیاست و حکومت کا قائل ہے جس میں دین، سیاست اور تنظیم ایک ساتھ ہو۔ دین کی بات کریں اور پھر اس کے عملی نفاذ کی کوشش کریں، ان کے نفاذ کے لئے لڑیں اور قربانیاں دیں۔ انفاذ کر چکنے کے بعد اس کی بہتر سے بہتر تنظیم کریں تاکہ وہ سلسلہ نسلوں تک جاری رہے، اسی کا نام سیاست ہے اور یہ ایمان کا سب سے اولین درجہ ہے۔[28]

References

[1] سید ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامی ریاست (لاہور: ناشر اسلامک پبلیکیشنز (پرائیوٹ) لیمٹڈ، اشاعت 24 جنوری 1967)، ص 18-17

[2] ایضاً، ص 21

[3] ڈاکٹر طاہرہ بتول (2018) "فتح مکہ میں آنحضرت ﷺ کا دعوتی، سیاسی اور حربی کردار (عصر حاضر کے تناظر میں تجزیاتی جائزہ)"، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد، مقالہ پی ایچ ڈی

[4] ڈاکٹر ذیشان (2018) "اسلام اور عصر حاضر کے تناظر میں ریاستی اداروں کی ذمہ داریوں کا تحقیقی جائزہ"، بنوں یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی، بنوں، مقالہ پی ایچ ڈی

[5] ڈاکٹر محمد اسرار، "معارف سیاست"، حصہ اول، ص 19

[6] ایضاً، ص 20

[7] شاہنواز فاروقی (31 اگست 2018)، "انسانی تاریخ میں علم اور سیاست کا تعلق"
https://www.shahnawazfarooqi.com/910/%D8%A7%D9%86%D8%B3%D8%A7%D9%86%DB%8C-%D8%AA%D8%A7%D8%B1%DB%8C%D8%AE-%D9%85%DB%8C%DA%BA-%D8%B9%D9%84%D9%85-%D8%A7%D9%88%D8%B1-%D8%B3%DB%8C%D8%A7%D8%B3%D8%AA-%DA%A9%D8%A7-/%D8%AA%D8%B9%D9%84%D9%82

[8] ایضاً

[9] سید ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامی ریاست (فلسفہ، نظام کار اور اصول حکمرانی)، لاہور: ناشر اسلامک پبلیکیشنز (پرائیوٹ) لیمٹڈ، اشاعت نومبر 2013)، ب 7، ص 228

[10] سورۃ یوسف 40:12

[11] سورۃ اعراف 3:7

[12] سورۃ المآئدہ 44:5

[13] سورۃ یوسف 40:12

[14] سورۃ الغافر 12:40

[15] سورۃ الکھف 26:18

[16] سورۃ النساء 59:4

[17] تاریخ الطبری: 2/250

[18] سورۃ الشوریٰ 38:42

[19] سورۃ الحجرات 13:49

[20] مسند أحمد، "کتاب مسند الأنصار"، باب حدیث رجل من أصحاب النبی ﷺ

[21] سورۃ النسآء 135:4

[22] سورۃ المآئدہ 8:5

[23] سورۃ الحدید 25:57

[24] سورۃ النساء 20:4

[25] سورۃ البقرہ 256:2

[26] ایم ایس شاہد، "اسلامی اور جدید سیاسی افکار و عمرانی افکار"، شعبہ تعلیم علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، ایور نیو بک پیلس، سرکلر روڈ، اردو بازار لاہور

[27] سورۃ الانبیاء 105:21

[28] اللہ بخش آفریدی، (6 فروری 2019) "جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی"
https://mazameen.com/muslim-world/%D8%AC%D8%AF%D8%A7-%DB%81%D9%88-%D8%AF%DB%8C%D9%86-%D8%B3%DB%8C%D8%A7%D8%B3%D8%AA-%D8%B3%DB%92-%D8%AA%D9%88-%D8%B1%DB%81-%D8%AC%D8%A7%D8%AA%DB%8C-%DB%81%DB%92-%DA%86%D9%86%DA%AF%DB%8C%D8%B2%DB%8C.html